سبق : 6

تعلیم القرآن

آن لائن اکیڈمی

(سورۃ ھود ،آیت 61 تا 68)

وقف لازم

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا، انھوں نے کہا! اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا

آیت 61 ﴿وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾: قومِ عاد جب خوفناک عذاب کے نتیجہ میں صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئی تو اس کے بعد دنیا میں جو قوم معروف ہوئی اسے اہلِ ثمود کہتے ہیں۔ثمود عرب کا ایک علاقہ ہے۔ یہ لوگ حجر کے مقام پر آباد ہوئے تھے۔ یہ جگہ خیبر کے قریب بنتی ہے۔ اس سے تھوڑا آگے حجر کی بستی ہے جہاں بہت بڑا پہاڑی سلسلہ ہے۔ ان وادیوں میں یہ بہت خوب صورت علاقہ ہے جس میں باغات کا شان دار سلسلہ ہے۔ اللہ رب العالمین نے اس علاقے میں انھیں آباد کیا تھا۔ ان کی طرف صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ نبی ہمیشہ اس وقت آتے تھے جب قوموں میں بگاڑ پیدا ہوتا اور شرک عام ہو جاتا تھا۔ شرک وہ بنیادی خرابی ہے جس کے ساتھ سارا فساد برپا ہوتا ہے، معاشرے برباد ہوتے ہیں، اخلاق تباہ ہوتا ہے اور لوگوں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ دنیا میں جتنا ظلم اور بگاڑ عام ہوا ہے اس کا بنیادی سبب شرک ہی ہے۔ ان سب چیزوں کا علاج رب تعالیٰ کی توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ مختلف بستیوں اور علاقوں کی طرف نبیوں کو بھیج کر دعوت کا انتظام کرتے تھے تاکہ لوگوں کی اصلاح ہو جائے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خالقِ کائنات ہمیشہ اپنے بندوں کی اصلاح چاہتے ہیں۔ فساد ایسی چیز نہیں ہے کہ جسے برداشت کیا جا سکے، اسے ہر صورت ختم ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے نظامِ فطرت میں اصول یہ ہے کہ وہ فساد اور غلطیوں کو برداشت نہیں کرتا۔ ہدایت بھی اللہ کی طرف سے ہے اور اس کائنات کا نظام چلانے والا بھی وہی ہے۔ اللہ رب العالمین نے جب آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا تو فرمایا: ﴿اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا﴾ [البقرۃ: ۳۸] تم سب زمین میں چلے جاؤ، تم نے اب جنت میں نہیں رہنا۔ آگے فرمایا: ﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى﴾ جب میری طرف سے تمھارے پاس ہدایت آئے گی تو پھر اس ہدایت کی اتباع کرنی ہے، اس کے بعد ہی تم جنت میں واپس آؤ گے۔ اگر اس ہدایت کی اتباع نہ کی تو رب تعالیٰ کی پکڑ سے دوچار ہونا یقینی ہے۔ زمین پر انسان کو اتارتے وقت خالقِ کائنات نے ایک اصولی فرمان جاری کیا تھا کہ ہدایت اور رہنمائی میری طرف سے آئے گی۔تم دنیا میں جاؤ گے تو سارا کام ہم تمھیں سمجھائیں گے کہ تم نے کس طرح زندگی بسر کرنی ہے۔ مالکِ کائنات نے ہدایت کا سارا سلسلہ نبیوں اور رسولوں کے ذریعے دنیا میں قائم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت باصلاحیت بنایا ہے۔ اسے عقل اور شعور کی نعمت عطا کی گئی ہے لیکن اسے اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ تم نے اپنی مرضی نہیں کرنی اور اپنی عقل کو بھی ربانی ہدایت کے تابع کرنا ہے۔ عقل صحیح کام کرے گی تو نتیجہ صحیح نکلے گا۔ اگر اللہ کی ہدایت چھوڑ کر آپ اپنی عقل اور دوسری صلاحیتوں پر بھروسا کریں گے تو کبھی بھی درست سمت میں آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ گویا انسان کی جتنی بھی صلاحیتیں ہیں ہدایت کی بنیاد پر ہی اچھا نتیجہ دے سکتی ہیں۔

اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ

کوئی الٰہ نہیں، اس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تمھیں آباد کیا، پس اسی سے بخشش طلب کرو، پھر اس کی طرف

ہدایت سے الگ ہونے کی صورت میں یہ صلاحیتیں فساد اور تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں کرتیں۔ آج کے دور میں مغرب بڑی ترقی کر رہا ہے لیکن تھوڑے لوگ ہیں جو اس ترقی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، ورنہ اس کی وجہ سے باقی دنیا مصائب و مشکلات سے دوچار ہے۔ یہ ملک ایسی پالیسیاں بناتے ہیں اور انھوں نے ایسے نظام وضع کر رکھے ہیں کہ دنیا میں ہر طرف طبقات کی کشمکش ہے اور ہر جگہ فساد برپا نظر آتا ہے۔ دیانت داری کی بات ہے کہ جن ملکوں اور قوموں نے دنیا میں اپنے نظام وضع کیے اور اپنی طرف سے بنائی گئی پالیسیوں کو انسانوں، ملکوں و معاشروں پر قائم کیا، سارا بگاڑ ان کی وجہ سے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ قومیں اللہ رب العالمین کی طرف سے آنے والی ہدایت کی پابند نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل علیہم السلام کا پورا ایک نظام قائم کیا اور وحی کے ذریعے ہدایت بھیجی ہے تاکہ یہ محفوظ رہے۔ اس میں کسی قسم کا اشتباہ اور اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ کتابیں اور صحیفے نبیوں و رسولوں پر نازل ہوئے ہیں۔ رسولوں کے علاوہ کسی کے پاس کچھ نہیں آیا۔ اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی دعویٰ کیا تھا کہ مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور میرے پاس بھی فرشتہ رب تعالیٰ کے احکام لے کر آتا ہے۔ یہ دعویٰ اس کے کذاب ہونے کے لیے کافی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ قَرِيْبًا مِنْ ثَلَاثِيْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ)) [صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام: ٣٦٠٩] ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تیس کے قریب جھوٹے دجال نہ نکل آئیں، ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔'' چنانچہ جس طرح بعض دوسری چیزوں سے بگاڑ پیدا ہوا ہے، ایسے ہی ان کذابوں اور دجالوں کی وجہ سے بھی دنیا میں فساد برپا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا یہ نظام نبیوں کو دیا ہے اور سب سے آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تکمیل ہوئی ہے۔ اب کوئی نئی چیز اور ہدایت نامہ آسمان سے آنے والا نہیں ہے۔ وحی کا سارا سلسلہ منقطع ہو چکا، اب قیامت تک وہی ہدایت ہے۔ اسی کی بنیاد پر اصلاح ہوگی اور معاشروں کا بگاڑ ختم اور امن و امان قائم ہوگا۔ یہ اصولی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار تذکرہ کر کے اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ جب اہلِ ثمود کی بستی آباد ہوگئی تو ان کے ہاں شرک کی وجہ سے بہت زیادہ خرابیاں پیدا ہوئیں۔ آپ دیکھیں کہ تسلسل ایک ہی ہے۔ پہلے قوموں میں شرک آتا تھا اور اس کی وجہ سے پھر ہر قسم کی برائیاں، لڑائی جھگڑے اور فساد آجاتا تھا۔ اس لیے اللہ کے ہر نبی نے ان ساری خرابیوں کا ازالہ اور علاج توحید کی دعوت سے کیا ہے۔

قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾

توبہ کرو، بے شک میرا رب قریب ہے، دعا قبول کرنے والا ہے ﴿61﴾

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ: صالح علیہ السلام نے وہی دعوت پیش کی جو نوح اور ہود علیہما السلام نے پیش کی تھی۔ صالح علیہ السلام کی طرف سے اپنی قوم کو مخاطب کرنے کے لیے " يٰقَوْمِ " (اے میری قوم!) کے الفاظ بہت اچھے اور خوب صورت ہیں۔ یہ لوگوں کو قریب کرنے والا انداز ہے۔یعنی یہ گالی گلوچ، سختی اور شدت کا انداز نہیں ہے۔ اصلاح کے لیے بھی بہت شان دار اور شستہ انداز اختیار کرنا چاہیے تاکہ لوگ آپ کی باتوں کی طرف توجہ دیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ کا رویہ بہترین اخلاق پر مبنی اور الفاظ کا استعمال بہتر نہیں ہوگا تو سب سے پہلا اعتراض ہی یہ ہوگا کہ تمھیں تو بات کرنے کا سلیقہ ہی نہیں ہے۔ نبیوں کا اخلاق چونکہ بہت عمدہ ہوتا تھا، اس لیے اصلاح کا انداز بھی ویسا ہی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ دعوت کے لیے اچھے اخلاق کا ہونا بہت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے بارے میں یہی ہدایت دی تھی: ﴿ اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ﴾ [طٰہٰ: ۴۳، ۴۴] تم فرعون کے پاس جاؤ، وہ بہت سرکش ہوگیا ہے، البتہ تم نے فرعون کے ساتھ بڑے نرم لہجے میں بات کرنی ہے ﴿ لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے۔ اگر آپ کا اندازِ گفتگو نرمی والا نہیں ہوگا تو آپ کی بات بھی کوئی غور سے نہیں سنے گا۔ فرعون اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا دشمن اور نافرمان تھا لیکن اس کے لیے بھی یہی کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اس سے نصیحت قبول کروانا چاہتے ہو تو نرم انداز میں بات کرنی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے اسلوبِ دعوت میں یہ چیز بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ تمام نبی اللہ کی عبادت کی دعوت دینے اور شرک کا ردّ کرنے کے لیے آئے تھے، " اعْبُدُوا اللّٰهَ " کے الفاظ سبھی نبیوں کے ہیں، یہ الفاظ قرآن مجید میں پہلے رسولوں کے بارے میں بھی بیان ہوئے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں بتا دیا: ﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ [النحل: ۳۶] ''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ: صالح علیہ السلام دلیل کے طور پر یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ ہم اگر یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی توحید کو مانو، اس کی عبادت کرو اور غیر اللہ کی عبادت ترک کردو تو اس کے حق میں واضح دلائل موجود ہیں۔ یہ اللہ ہی ہے جس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا ہے۔عبادت کا حق اسی کا ہے جو پیدا کرنے والا، رزق دینے والا اور موت وحیات کا مالک ہے۔ اس کے علاوہ کسی غیر کی عبادت نہیں کی جا سکتی۔ اگر غیر اللہ کی عبادت کرنی ہے تو اس کے لیے یہ دلیل بھی دینا پڑے گی کہ کائنات کی تخلیق میں اس کا بھی کوئی حصہ ہے۔ انسان کو زمین سے پیدا کرنے سے مراد مٹی سے پیدا کرنا

ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ہے: ﴿ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ﴾ [الروم: ۲۰] تمھیں مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔
'' إِنْشَاءٌ '' ایسے پیدا کرنے کو کہتے ہیں جو بالکل پہلی مرتبہ پیدا کیا جائے اور اس کا کوئی نمونہ اور مثال پہلے نہ ملتی ہو۔

وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا: ''اور اس میں تمھیں آباد کیا۔'' گویا ایسا نہیں ہے کہ پیدا کرنے کے بعد تمھیں چھوڑ دیا گیا بلکہ اس زمین میں آباد کیا ہے۔ اللہ رب العالمین نے زمین کو اس قابل بنا دیا کہ ساری سہولتیں اس میں رکھ دی گئی ہیں۔ اس زمین میں غلے اگ رہے ہیں اور پھل پیدا ہو رہے ہیں۔ ایسے ہی زمین میں پانی بھی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانوں کی ضروریات کی جتنی چیزیں ہیں ساری اس زمین میں رکھ دی گئی ہیں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ہم نے تمھیں زمین میں آباد کیا اور سارے وسائل اس میں رکھ دیے تو بتاؤ اس کے سوا بھی کوئی پیدا کرنے والی ذات ہے۔ صالح علیہ السلام اسی بات کو دلیل کے طور پر پیش کر رہے ہیں کہ پیدا کرنے والی ذات ہی انھیں اس دنیا میں آباد کرنے والی ہے۔ یہاں سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ دعوت دلیل کے ساتھ پیش کرنی چاہیے۔ یہ نہیں ہے کہ زبردستی کسی سے دین کی دعوت منوائی جائے۔ دعوت میں یہ بہت بنیادی چیز ہے کہ آپ ایسے مؤثر دلائل پیش کریں کہ جن کے ساتھ آدمی غور کرنے پر مجبور ہو اور دعوت قبول کر لے۔

فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ: ''پس اسی سے بخشش طلب کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو۔'' صالح علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ تم نے شرک کرنے کے بعد ایک دوسرے پر ظلم و زیادتیاں شروع کر رکھی ہیں۔ تمھیں چاہیے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ رب العالمین کی طرف رجوع کرو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرو۔ اصلاح کے لیے یہ دونوں چیزیں ہی انتہائی ضروری ہیں۔

اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ: ''بے شک میرا رب قریب ہے۔'' قریب کا مطلب ہے کہ وہ بات کو سنتا ہے۔ اسے سنانے کے لیے بلند آواز میں بات کرنے کی ضرورت نہیں۔تم جتنا بھی دھیما بولو وہ سنتا ہے۔ وہ تمھارے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات کو بھی جانتا ہے۔قریب کا معنی یہاں سننے کے اعتبار سے ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ذات کے اعتبار سے بھی قریب ہے بلکہ ذات کے لحاظ سے وہ عرش پر مستوی ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ [ق: ١٦] ''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔'' دل میں پیدا ہونے والا خیال زبان پر آئے تو وہ کلام بنتا ہے۔یعنی ابھی خیال کلام نہیں بنتا کہ اللہ رب العالمین کو اس کے بارے میں پہلے ہی علم ہوتا ہے۔ قریب ہونے کا یہ معنی اللہ نے قرآن مجید میں خود کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ وہ شہ رگ کے قریب ہے اور باقی چیزوں سے دور ہے۔ یہ قریب اور بعید کے پیمانے انسانوں کے لیے ہیں۔ رب تعالیٰ کی صفات کے حوالے سے ان پیمانوں کو استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صرف بات کو سمجھانے اور صفات کو واضح کرنے کے لیے ہوتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾

انھوں نے کہا اے صالح! اس سے پہلے یقیناً ہم تم سے بہت سی امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے، کیا تم ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے روکتے ہو جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے رہے اور بے شک ہم بے چین کرنے والے بڑے شک میں مبتلا ہیں، اس سے جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو ﴿62﴾

جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے تسلیم کیا جائے۔

مُّجِيْبٌ: ''دعا قبول کرنے والا ہے۔'' بندے کو پورے یقین کے ساتھ اللہ سے مانگنا چاہیے۔ اگر وہ قبول نہیں کرتا تو یہ اس کی مرضی اور حکمت ہے اور اس میں ہماری کوتاہی اور آزمائش ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارا ایمان صحیح ہونا چاہیے۔ دعا جلد قبول نہ ہو تو پھر بھی اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ اس میں بھی رب تعالیٰ کی طرف سے حکمت ہے۔ یہ مایوسی بالکل نہیں ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سننے اور قبول کرنے والا نہیں ہے۔ یہ سوچ رکھنا آدابِ دعا کے خلاف ہے۔ اس یقین کا ہونا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صورت میں دعا قبول کرنے والا ہے۔ وہ ابھی قبول کرے گا یا تاخیر سے کرے گا یہ وہی بہتر جانتا ہے۔ اگر دعا کی قبولیت میں تاخیر ہو رہی ہے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا بدلہ عطا کر دیں گے۔ یہ ساری حکمتیں اس ذات باری تعالیٰ کے پاس ہیں۔ مومن بندے کو دل میں کبھی کوئی ایسا خیال پیدا نہیں ہونے دینا چاہیے جس سے اللہ کی صفات کے حوالے سے ایمان میں کسی قسم کا کوئی بگاڑ پیدا ہو۔

آیت 62 **قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ:** صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو توحید کی دعوت دی تو انھوں نے کہا کہ تم سے ہمیں بڑی امیدیں وابستہ تھیں کہ تم ہمارے قبیلے اور خاندان کے بہت ہونہار شخص ہو۔ تمھاری صلاحیتوں کے ہر طرف چرچے تھے اور ہم سمجھتے تھے کہ تم بڑے قائد بنو گے تو ہمیں بھی فائدہ پہنچاؤ گے اور ہمارے کام آؤ گے لیکن تم نے تو ایسی باتیں شروع کر دی ہیں جو ہمیں کسی صورت قبول نہیں ہیں۔ تم نے اپنا بھی نقصان کیا ہے اور ہمارا بھی نقصان کر رہے ہو۔ تمھاری توحید کی دعوت سے ہماری ساری امیدوں پر پانی پھر گیا ہے اور ہمیں تم سے کسی بھلائی کی توقع نہیں رہی۔

اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا: تم ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے کیوں روک رہے ہو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا اور بڑے بزرگ کرتے رہے۔ یہ بزرگ بہت زیادہ عقل و فہم اور شعور والے تھے۔ انھوں نے یہ بت بنائے اور ہمیں ان خداؤں کی عبادت کے طریقے سکھائے اور سمجھائے۔ ہم صرف تمھارے کہنے پر باپ دادا اور

قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَاٰتٰنِیۡ مِنۡهُ رَحۡمَۃً فَمَنۡ

اس نے کہا اے میری قوم! کیا تم غور کرتے ہو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور میرے پاس

اپنے ان جہاندیدہ بزرگوں کی عبادت اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنا کیسے چھوڑ دیں۔ ہمیں تو اس میں عقل والی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ ہود علیہ السلام کو بھی ان کی قوم نے یہی جواب دیا تھا کہ تیرے کہنے پر ہم اپنے معبودوں کی پوجا ترک نہیں کریں گے، یہاں بھی وہی بات ہے لیکن الفاظ تھوڑے مختلف ہیں۔

وَاِنَّنَا لَفِیۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡهِ مُرِیۡبٍ: قومِ ثمود کے لوگ اپنے نبی صالح علیہ السلام سے کہتے ہیں کہ تم نے ہمیں شک میں مبتلا کر دیا ہے۔ شک بھی ایسا جو "مُرِیۡبٍ" ہے۔ "رَیۡبٌ" بھی شک ہی کو کہتے ہیں لیکن ریب اور شک کا فرق یہ ہے کہ شک اسے کہتے ہیں جس میں کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کو برابر سمجھا جائے اور فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے، یعنی دونوں پہلوؤں کے بارے میں برابر کی صورتِ حال ہو۔ اس کے برعکس ریب یہ ہے کہ ذہن واضح نہ ہو اور انسان فیصلہ نہ کر سکے جس کی وجہ سے بے چینی اور پریشانی بڑھ جائے۔ یقین ہمیشہ راحت کا سبب بنتا ہے اور شک اور ریب سے بے چینی پیدا ہوتی ہے، بندہ تکلیف میں مبتلا رہتا ہے اور گوناگوں کیفیت میں مبتلا رہنے سے صحیح فیصلہ نہیں کر پاتا۔ اہلِ ثمود بھی کہتے ہیں کہ اے صالح! تمھاری دعوت سے ہمارے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہیں، بے چینی بڑھ رہی ہے اور ہم کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے۔ اس سے پہلے جب تک ہم اپنے باپ دادا کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے بہت سکون میں تھے، ہم نے رسوم و رواج کو ہی دین مانا ہوا تھا اور ہم اپنے خداؤں کی پوجا کر رہے تھے لیکن تم نے آ کر ایسی باتیں شروع کر دی ہیں کہ جن سے ہمارے قلوب و اذہان میں شکوک وشبہات پیدا ہو گئے ہیں۔

یقین ایسی چیز ہے کہ یہ چاہے کسی بت پر ہو، لوگ اس پر بڑے پختہ ہوتے ہیں۔ اللہ کے نبیوں کی دعوت میں بھی توحید پر یقین پیدا کیا جاتا ہے اور شکوک وشبہات کو ختم کیا جاتا ہے، کیوں کہ جب کسی چیز کے بارے میں شک ہوتا ہے تو انسان پھر اس پر عمل نہیں کرتا، اسے دل کے اطمینان کے ساتھ قبول نہیں کرتا اور اسے اپنے لیے حرزِ جان نہیں بنا سکتا، اس لیے یقین اور ایمان کا ہونا بہت ضروری ہے۔ مفسرین نے اس کا ایک معنی یہ کیا ہے کہ قومِ ثمود کے لوگ کہتے تھے کہ تم نے ہمارا ایمان ہی متزلزل کر دیا ہے۔ اب ہمیں کچھ سمجھ نہیں آتا کہ ہم تیری بات مانیں یا اپنے باپ دادا کی بات مانیں، ہمارے آباؤ اجداد سے جو دین چلا آ رہا تھا وہ دین ٹھیک تھا، یا یہ ٹھیک ہے۔ سچی بات ہے کہ ہم تو ایک نئی مصیبت سے دوچار ہو گئے ہیں۔ ہمارے عقائد کا اتنا نقصان ہوا ہے کہ ہم پر کوئی بھی راستہ واضح نہیں ہو رہا۔

آیت 63 قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ: صالح علیہ السلام نے بھی وہی بات کہی جو ہود علیہ السلام اور نوح علیہ السلام

يَّنۡصُرُنِىۡ مِنَ اللّٰهِ اِنۡ عَصَيۡتُهٗ ۚ فَمَا تَزِيۡدُوۡنَنِىۡ غَيۡرَ تَخۡسِيۡرٍ ﴿۶۳﴾

اس کی طرف سے بڑی رحمت آچکی ہو، پھر میں اس کی نافرمانی کروں تو اللہ کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا، تم تو میرے نقصان ہی میں اضافہ کر رہے ہو؟ (63)

نے کہی تھی کہ ہمارے پاس رب تعالیٰ کی طرف سے وحی کی صورت میں روشن دلیل اور ہدایت کا پورا ڈھانچہ آچکا ہے۔ میرے رب نے مجھے وہ دلیل عطا کی ہے جو تمھارے پاس نہیں آئی۔ فرمایا: ﴿اِنِّىۡ قَدۡ جَآءَنِىۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَاۡتِكَ﴾ [مریم: ۴۳] ابراہیم علیہ السلام نے یہی بات اپنے باپ سے کہی تھی کہ اے ابا جان! آپ نے اپنے ہاتھوں سے خدا بنا کر بیچنے کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے یہ سارا کاروبار غلط ہے۔ مجھے اللہ نے صحیح اور غلط ہونے کا جو علم عطا کیا ہے وہ آپ کو نہیں دیا۔ میں آپ کے سامنے جو دلیل پیش کر رہا ہوں یہ میرے رب کی طرف سے ہے۔ جب میں کوئی بات اللہ کی طرف سے کروں تو پھر اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ قومِ ثمود نے بھی جب کہا کہ ہم شک میں مبتلا ہیں تو صالح علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم شک اور گومگو کی کیفیت میں اس لیے ہو کہ تم "بَيِّنَةٍ" یعنی دلیل پر غور نہیں کرتے جبکہ میں یقین پر اس لیے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو حقیقت دی ہے اس پر میرا پختہ ایمان ہے۔

وَاٰتٰنِىۡ مِنۡهُ رَحۡمَةً: "اور میرے پاس اس کی طرف سے بڑی رحمت آچکی ہو۔" رحمت سے مراد نبوت ہے۔ صالح علیہ السلام کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ رحمت، نبوت اور فضل عطا فرمایا ہے جو تم میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ تم اس نعمت سے محروم ہو۔ اللہ رب العالمین نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر آسمانوں سے وحی کے ذریعے ساری ہدایات آرہی ہیں، جنھیں میں تمھارے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ تمھیں چاہیے کہ ہر قسم کے شک کو ختم کر کے حق بات کو قبول کرو۔

فَمَنۡ يَّنۡصُرُنِىۡ مِنَ اللّٰهِ اِنۡ عَصَيۡتُهٗ: اگر میں تمھارے کہنے پر اور تمھیں خوش کرنے کے لیے دین کی دعوت کا کام ترک کر دوں تو اللہ کی پکڑ مجھ پر بھی آئے گی اور مجھے کوئی اس کی گرفت سے چھڑانے والا نہیں ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ میری تو ذمہ داری ہی یہ لگائی گئی ہے کہ میں اپنے اس مشن اور منہج پر کاربند رہوں۔ میں نے ہدایت کی راہ کو واضح نہ کیا تو میرا قبیلہ اور خاندان بھی میرے کسی کام نہیں آسکے گا۔ اس لیے میں تو صرف اللہ رب العالمین کا حکم ماننا اور اسی کی دعوت پیش کرنے والا ہوں۔

فَمَا تَزِيۡدُوۡنَنِىۡ غَيۡرَ تَخۡسِيۡرٍ: تمھاری بات ماننے میں میرا خسارہ ہے۔ جتنا میں تمھاری باتیں مانتا جاؤں گا اتنا خسارہ بڑھتا جائے گا۔ اس لیے میں نقصان سے بچ کر اپنا کام کرنے کا پابند ہوں۔ اگر میں تمھاری بات مان کر دعوت کا کام ترک بھی کر دوں تو تم مجھے خسارے کے سوا کچھ نہیں دے سکتے۔

وَ یٰقَوۡمِ ہٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمۡ اٰیَۃً فَذَرُوۡہَا تَاۡکُلۡ فِیۡۤ اَرۡضِ اللّٰہِ وَ لَا تَمَسُّوۡہَا بِسُوۡٓءٍ فَیَاۡخُذَکُمۡ عَذَابٌ قَرِیۡبٌ ﴿۶۴﴾

اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمھارے لیے بڑا معجزہ ہے، پس اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اور اسے کوئی تکلیف نہ دینا، ورنہ تمھیں عنقریب بڑا عذاب پکڑ لے گا ﴿64﴾

آیت 64 ﴿وَ یٰقَوۡمِ ہٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمۡ اٰیَۃً: صالح علیہ السلام کی دعوت کو جب ردّ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اونٹنی کا معجزہ عطا کیا۔ یاد رکھیں! اس حوالے سے طریقہ کار ہمیشہ یہی رہا ہے کہ نبی دعوت پیش کرتے تھے لیکن جب ان کی اقوام کے لوگ آیاتِ بینات ماننے کے لیے تیار نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ پھر انھیں معجزات سے نوازتا تا کہ لوگ ان سے متاثر ہوں اور وہ حق کی دعوت قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ معجزہ ہوتا ہی وہ ہے جو معمول سے ہٹ کر ہو۔ قوم کے لیے ایسی نئی اور غیر معمولی چیز جس کا جواب ان کے پاس نہ ہو، اسے معجزہ کہتے ہیں۔ معجزہ عقل کو عاجز اور حیران کر دینے والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو معجزات عطا کرتا رہا اسی طرح صالح علیہ السلام کو بھی معجزہ دیا گیا۔ یہ معجزہ اللہ کی اونٹنی تھی۔ ابن کثیر (۱۵۷/۶) میں ہے کہ قومِ ثمود نے صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں یہ معجزہ دکھاؤ، چنانچہ خالقِ کائنات نے ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا اور معجزے کے طور پر اونٹنی صالح علیہ السلام کو عطا کر دی۔ اس سلسلہ میں ایک موقوف روایت ہے کہ جس کو اسحاق بستی اور باقی مفسرین نے ابوطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ صالح علیہ السلام کی قوم نے معجزہ کا مطالبہ کیا تو صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کے سامنے پہاڑ پھٹا اور اس میں سے اونٹنی نکل آئی۔ دکتور حکمت بن بشیر نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ [دیکھیے موسوعة الصحیح المسبور من التفسیر بالمأثور: ١٤/٤]

تفاسیر کی کتب میں یہ ساری اسرائیلی روایات موجود ہیں لیکن قرآن مجید کی تفسیر کرتے وقت ان کا بہت زیادہ لحاظ نہیں رکھا جاسکتا اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے کہ ہم اس بحث میں الجھیں کہ وہ اونٹنی کیسی تھی اور اس کا قد کتنا تھا؟ اس اونٹنی کے متعلق قرآن مجید نے معجزے کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ اللہ رب العالمین نے باریاں مقرر کر دی تھیں کہ جس حوض سے پوری بستی پانی پیتی تھی ایک دن یہ اونٹنی اس حوض کا سارا پانی پیے گی اور دوسرے دن باقی ساری قوم اور ان کے جانور پانی پئیں گے۔ [دیکھیے الشعراء: ۱۵۵۔ القمر: ۲۸] یہ چیز بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے اس کا معجزہ ہونا واضح کیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری جتنی باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔

فَذَرُوۡہَا تَاۡکُلۡ فِیۡۤ اَرۡضِ اللّٰہِ: ''پس اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے۔'' یہ تمھاری فصلیں اور تمھاری چراگاہیں ہیں لیکن یہ زمین تو اللہ رب العالمین کی ہے۔ سب سے بڑا حق اسی ذاتِ باری تعالیٰ کا ہے، لہٰذا اس نے معجزے کے طور پر یہ اونٹنی بھیج کر تمھیں اس بات کا پابند کر دیا ہے کہ یہ جہاں سے چرنا چاہے اسے چرنے دو اور

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا
جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْیِ یَوْمِىٕذٍ ؕ

مگر انھوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں، تو (صالح علیہ السلام نے) کہا کہ تم اپنے گھروں میں تین دن تک فائدہ اٹھالو، یہ ایسا وعدہ ہے جو کبھی جھوٹا نہیں ہوگا (65) پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح (علیہ السلام) اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے، کو اپنی خاص رحمت سے نجات دی اور اس دن کی رسوائی سے بھی (محفوظ رکھا)، بے شک آپ کا رب ہی

اسے روکنا بالکل نہیں ہے۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ : ''اور اسے کوئی تکلیف نہ دینا۔'' تم نے اونٹنی کو ایذا پہنچانے کے لیے کسی قسم کی کوئی منصوبہ بندی نہیں کرنی اور قطعی طور پر ایسا انداز اختیار نہیں کرنا کہ جس سے تمھاری کوشش ہو کہ اس اونٹنی سے ہماری جان چھوٹ جائے۔ یہ جیسی ہے اسے ویسا ہی رہنے دو کیوں کہ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ایک معجزہ ہے۔

فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ : اگر تم نے اس اونٹنی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو پھر اللہ کا عذاب آئے گا۔ اس معجزے کا انکار کرنے کے بعد تم رب تعالیٰ کی پکڑ سے کسی صورت نہیں بچ سکو گے۔ تم اپنی زندگیوں سے مزید فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اسے ہاتھ بھی نہیں لگانا۔ صالح علیہ السلام نے یہ ساری باتیں اپنی قوم کے سامنے واضح کر دی تھیں۔

آیت 65 ﴿ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ . . . : صالح علیہ السلام نے کہا تھا کہ اونٹنی کو ہاتھ نہیں لگانا۔ جب نبی اس قسم کی بات کہتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اونٹنی کے حوالے سے رب تعالیٰ نے ہی صالح علیہ السلام سے کہا تھا کہ اپنی قوم کے لوگوں کو بتا دو کہ اسے نقصان نہیں پہنچانا، لیکن یہ ایسے ظالم تھے کہ انھوں نے حملہ کر کے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ جب انھوں نے اللہ کے اس حکم کی نافرمانی کی تو پھر آسمانوں سے عذاب نازل ہوا۔ صالح علیہ السلام نے کہا کہ جس چیز کا خوف تھا وہ تم نے کر لیا ہے۔ اب تمھیں صرف تین دن کی مہلت ہے، اس دوران تم نے دنیا میں رہتے ہوئے جتنا کھانا پینا ہے کھا پی لو اور فائدہ اٹھالو، اس کے بعد تم پر اللہ کا عذاب آئے گا اور یہ ایسا عذاب ہوگا کہ تم میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔ یہ ایسا وعدہ ہے کہ جو کبھی بھی ردّ نہیں کیا جا سکے گا اور یہ جھوٹ بھی نہیں ہے بلکہ بہت بڑی حقیقت ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو بتا دیا تھا اور کہا تھا کہ انھیں عذاب کی خبر دے دو۔

آیت 66 ﴿ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا . . . : تین دن کی مہلت کے بعد جب عذاب آیا تو اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے ساتھیوں کو بچا لیا۔ یہ عذاب بہت خوفناک تھا۔ اگلی آیت میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ جب بھی اللہ کا عذاب آتا ہے تو وہ ایمان والوں کو محفوظ کر لیتا ہے۔ اس حوالے سے یہ بھی ہے کہ کبھی تو عذاب سے

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾

بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے ﴿66﴾

محفوظ کرنے کا طریقہ بتادیا جاتا ہے، جیسا کہ نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو کشتی کے ذریعے بچانے کی بات کی گئی تو کبھی نہیں بتایا جاتا جیسا کہ ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کے ساتھیوں کو بچانے کے بارے میں کوئی واضح بات نہیں بتائی گئی۔ اللہ رب العالمین نے انھیں عذاب سے کیسے محفوظ رکھا یہ اسی ذات باری تعالیٰ کے علم میں ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ مفسرین نے اس حوالے سے نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر اتنا خوفناک عذاب آیا تو نبی اور ان کے ساتھی کیسے بچ گئے تو اللہ تعالیٰ اس چیز کو اپنی طرف منسوب کر کے کہتے ہیں کہ ہم نے انھیں عذاب سے محفوظ رکھا تھا۔ ہم جیسے چاہتے ہیں اپنے بندوں کو بچا لیتے ہیں۔

بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا: ہم نے انھیں اپنی خاص رحمت سے نجات دی۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی کامیابی مل جائے، بیماری کے بعد اللہ تعالیٰ شفا دے دے یا کسی مصیبت کے بعد راحت نصیب ہو تو اسے اللہ رب العالمین کی خاص رحمت سمجھنا چاہیے۔ جب بندہ اس چیز کو رحمت سمجھے گا تو پھر ہی اپنے رب کا شکر ادا کرے گا، اس کے سامنے جھکے گا اور اس کا حکم مانے گا۔ یہ چیز بہت ضروری ہے۔ کسی کو اپنے ذہن میں یہ بات نہیں رکھنی چاہیے کہ میں اپنی تدبیر سے بچ گیا ہوں اور میں نے منصوبہ بندی ہی ایسی کی تھی کہ مجھے کامیابی مل گئی ہے۔ یہ بہت کمزور باتیں ہیں اور ایمان کی خرابی کی علامت ہیں۔ مومن ہمیشہ یہی سمجھتا ہے کہ مجھے کامیابی کی صورت میں جو کچھ بھی ملتا ہے یہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔

وَمِنۡ خِزۡيِ يَوۡمِئِذٍ: ''اور اس دن کی رسوائی سے بھی (محفوظ رکھا)۔'' یہاں یا تو مراد قیامت کا دن ہے اور یا پھر اس دن کی بات کی گئی ہے جس دن رسوا کرنے والا عذاب نازل ہوا تھا۔ اس سے یہ دونوں چیزیں مراد ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ کوئی طاقت ور اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ اسی طرح وہ جس کو بچانا چاہتا ہے اسے بچا لیتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡقَوِيُّ الۡعَزِيۡزُ: ''بے شک آپ کا رب ہی بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو جلتی ہوئی آگ سے بچا لیا۔ ایسے ہی اصحاب الاخدود کا واقعہ دیکھ لیں کہ نوجوان لڑکا بار بار بچ کر بادشاہ کے دربار میں آ کر دعوتِ توحید پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ [دیکھیے صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب قصة أصحاب الأخدود...: ۳۰۰۵] یعنی وہ جس کو چاہتا ہے بچا لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب سے دوچار کر دیتا ہے۔ اللہ رب العالمین کی ذات بڑی قوی ہے۔ اسی پر توکل ہونا چاہیے اور یہ سوچ کر انبیاء علیہم السلام والا مشن ادا کرنا چاہیے کہ وہ ہماری حفاظت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ غالب ہے اور اس کے سامنے کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔

وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا
فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾

اور ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا تھا ایک چیخ نے پکڑ لیا، پس انھوں نے اپنے گھروں میں اس طرح صبح کی کہ سب اوندھے پڑے تھے ﴿67﴾ گویا کہ وہ کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہیں تھے۔ خبردار! بے شک ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا، خبردار! ثمود کے لیے بڑی ہلاکت تھی ﴿68﴾

آیت 68،67 ﴿وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ﴾: قومِ ثمود کو یہ یقین نہیں تھا کہ تین دن گزرنے پر اللہ کا عذاب آئے گا۔ وہ معمول کے مطابق دن کے وقت کام اور رات کو آرام کر رہے تھے لیکن جب عذاب کا وقت آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو بھیجا، اس نے ایسی خوفناک چیخ ماری کہ جس سے زلزلے برپا ہونے لگے۔ اللہ رب العالمین نے پہاڑوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا دیا۔ یہ بڑا ہی خوفناک منظر تھا۔ قومِ ثمود کے لوگوں نے پہاڑوں کو کاٹ کر بہت شان دار گھر بنا رکھے تھے۔ آج کے دور میں بھی آرکیٹیکچر (ماہر فنِ تعمیر) یہ منظر دیکھیں تو حیرت زدہ رہ جائیں کہ کس طریقے سے انھوں نے پہاڑوں کو تراش کر خوب صورت گھر بنائے ہوئے تھے۔ خالقِ کائنات نے نمونے کے طور پر چند ایک گھروں کو بچایا ہے لیکن زیادہ تر تباہی کے مناظر ہیں کہ پہاڑ کس طرح ٹوٹے ہیں اور کس قدر خوفناک تباہی ہوئی ہے۔

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ: اہلِ ثمود رات کو آرام کی نیند سو رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ تین دن کی بات ایسے ہی ہے۔ ہر دن کے بعد رات آتی ہے اور ہر رات کے بعد دن آتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی پکڑ آئی تو وہ اپنے گھروں میں ہی رب تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہو گئے۔ وہ اپنے گھروں میں ہی الٹے منہ مرے پڑے تھے۔ فرشتے کے چیخ مارنے پر سارے کافر اور مشرک ہلاک ہو گئے۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا . . . : اللہ کا عذاب آ جانے پر بستی میں ہر طرف خاموشی تھی، کسی کی آواز تک نہیں آ رہی تھی، ایسے لگتا تھا کہ جیسے اس بستی میں کبھی کوئی آباد ہی نہیں رہا۔ سب لوگ ختم ہو گئے اور قصہ پارینہ بن گئے۔ جس طرح قومِ ثمود پر عذاب آیا ایسے ہی قیامت بھی اچانک آ جائے گی۔ یہ عذاب اور نشانیاں دیکھ کر اللہ کی پکڑ اور قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرنا چاہیے اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ﴾ ”خبردار! بے شک ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا، خبردار! ثمود کے لیے بڑی ہلاکت تھی۔“ قومِ ثمود پر آسمانوں سے عذاب کا نازل ہونا امتِ محمد ﷺ کے لیے بہت بڑی دعوت ہے کہ تم بھی شرک، کفر اور ظلم چھوڑ کر دینِ حق کی دعوت قبول کرو اور گناہوں و نافرمانیوں سے باز آ جاؤ۔ علمائے کرام کی بھی ذمہ داری ہے کہ

وَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ

اور بلاشبہ ہمارے رسول (فرشتے) ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس خوش خبری لے کر آئے۔ انھوں نے سلام کہا تو اس

وہ نبوی منہج اور مشن کو آگے بڑھائیں تا کہ لوگوں کی اصلاح ہو اور وہ اللہ کے عذاب سے بچ سکیں۔